نقش آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پچھلے ماہ راقم کو وطنِ عزیز کے مشرقی حصہ مشرقی پاکستان جانے اور آٹھ دس دن تک وہاں کے مسلمان بھائیوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ڈھاکہ کے چند اہلِ خیر اور دینی درد رکھنے والے حضرات (جن میں حاجی بشیر الدین بوگرہ اور ان کی فرم جمیل الدین لمیٹڈ پیش پیش تھے) کی خواہش تھی کہ ملک کے مغربی حصہ کے علماء اور اکابر یہاں تشریف لاکر مسلمانوں کو اپنے خیالات سے محظوظ کریں، اس خواہش میں یہ جذبہ بھی شامل تھا کہ دونوں حصوں کے اہلِ علم کا باہمی تعاون ہو اور یہاں کے دینی عواطف، ملی احساسات اور جذبات کا مشاہدہ بھی ان علماء کو ہو سکے۔ دینی جذبات سے معمور ان حضرات نے تعلیم القرآن سوسائٹی کے نام سے ایک خالص قومی تبلیغی ادارہ قائم کیا ہے۔ اور اس انجمن کی طرف سے انہوں نے قرآنی تعلیمات پر اجتماعات کا پروگرام بنایا اور مشرقی و مغربی پاکستان کے چند علماء کو دعوت دی چنانچہ اس دعوت پر مغربی پاکستان سے حضرت مولانا شمس الحق افغانی مدظلہٗ، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ۔ مولانا عبید اللہ انور انجمن خدام الدین لاہور، مولانا حامد میاں صاحب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور، مولانا مجاہد الحسینی لائل پور، مولانا عبدالقادر آزاد بہاولپور —— ۲۲ فروری کو ڈھاکہ تشریف لے گئے مدعوین میں سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہٗ کراچی بوجہ سفر حج یہ دعوت قبول نہ کر سکے۔ وہاں کے بعض مخلص احباب نے ایک طالب العلم کی حوصلہ افزائی کے طور پر ناچیز کو بھی دعوت دی اور بطور ادنیٰ خادم کے مجھے اس سفر میں دینی اجتماعات کی شمولیت، حضرات اکابر کی رفاقت، اور وہاں کے اہلِ علم، دینی اداروں اور پہلی بار وطنِ عزیز کے ایک مردم خیز، زرخیز، دینی احساسات اور سیاسی بیداری سے مالامال خطہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس مختصر دورہ میں ہر جگہ ان حضرات نے اپنے گہرے نقوش اور اثرات چھوڑے، حضرت علامہ افغانی کی علمی شخصیت اسلام کے نشاۃِ ثانیہ اور اتحاد بین المسلمین پر انکی پُرمغز تقاریر، حضرت مولانا انور کی بے مثال تواضع، کریمانہ اخلاق، مولانا حامد میاں صاحب کی پُروقار شخصیت، مولانا مجاہد الحسینی کا سیاسی شعور اور آزاد صاحب کی شعلہ بیانی سے ہر جگہ لوگوں نے گہرا اثر لیا —— تعلیم القرآن سوسائٹی کے فعال اور سرگرم کارکن مولانا محی الدین خان صاحب کی رفاقت اور مدبرانہ رہنمائی پورے سفر میں حاصل رہی اس سفر میں وہاں کی دینی، سیاسی اور اقتصادی زندگی کے جو گوشے کچھ نہ کچھ سامنے آئے، ان مشاہدات اور تاثرات کی یہاں گنجائش نہیں۔ سفر کا مختصر حال یہ ہے کہ ۲۳ اور ۲۴ فروری کو سوسائٹی کے

زیرِ اہتمام ڈھاکہ کی وسیع اور پرشکوہ جامع مسجد بیت المکرم میں عام اجتماعات ہوتے، علماء کرام نے اردو اور بنگلہ میں قرآن کریم کے مختلف پہلوؤں اور مسلمانوں کی موجودہ حالت پر روشنی ڈالی ان اجتماعات میں ڈھاکہ کے لوگوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ ۲۵ر فروری کی ظہر کو ڈھاکہ کے سب سے بڑے آڈیٹوریم انجینئرنگ انسٹی ٹیوٹ ہال میں اجتماع ہوا جس میں ڈھاکہ کے معززین شرفاء اور فہمیدہ حضرات مدعو تھے۔ اس مجلس میں قرآن کریم پر کچھ مقالے پڑھے گئے اور چند تقریریں ہوئیں ۔ ان ہی ایام میں ڈھاکہ کے کئی علمی اور دینی اداروں میں بھی ان کے منتظمین کی خواہش پر جانا ہوا ۔ مدرسہ اشرف العلوم ، جامعہ قرآنیہ لال باغ، مدرسہ امداد العلوم ، ادارہ المعارف جو ڈھاکہ جیسے مرکزی شہر کے علمی اور دینی مراکز ہیں اور ہر لحاظ سے مرکز کے شایانِ شان اور اس خطہ کی دینی روایات کے آئینہ دار ہیں ۔ ان اداروں میں استقبالیہ تقریبات ہوئیں ، اساتذہ و طلبا اور منتظمین نے نہایت خلوص اور محبت کا مظاہرہ کیا ، اور تقریباً ہر ادارہ میں حضرت شیخ الحدیث اور حضرت افغانی صاحب نے خطاب فرمایا۔ مشرقی پاکستان کے دیگر علاقوں سے بعض مدارس عربیہ ، اور دینی ملی اداروں اور اہل علم حضرات نے تعلیم القرآن سوسائٹی کی وساطت سے ان حضرات کی زیارت اور ان کے خیالات سے مستفید ہونے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ چنانچہ ڈھاکہ کے سہ روزہ پروگرام کے بعد ۲۶ر تاریخ کو بذریعہ ٹرین میمن سنگھ جانا ہوا ۔ مولانا فیض الرحمان صاحب جو پورے ضلع میں اثر و رسوخ اور دینی اعتماد رکھنے والے بزرگ ہیں ، نے جلسے کا انتظام فرمایا تھا۔ راستے میں اور پھر میمن سنگھ میں مسلمانوں کی محبت اور علماء سے گرویدگی قابلِ دید تھی۔ ظہر کے بعد شہر کی جامع مسجد میں جلسہ عام تھا، سامعین کا ایک سیلاب تھا جو دور دراز سے اُمڈ آیا تھا ــــ اندازاً تیس چالیس ہزار کا مجمع تھا جو عشاء تک پورے اطمینان سے جارہا ۔ یہاں تھوڑی دیر کیلئے مولانا نور الدین صاحب کی دعوت پر مہمانوں کو دارالعلوم میمن سنگھ بھی جانا ہوا۔ اور مدرسے کے نظم و نسق سے سب متاثر ہوئے ۔ رات کو میمن سنگھ سے ڈھاکہ واپس ہوئے ۔ ۲۷ر کی صبح کو بذریعہ طیارہ ڈھاکہ سے سلہٹ جانا ہوا۔ سلہٹ بنگال میں اپنے وقت کے سرتاج اولیا حضرت شاہ جلال مجردیمنیؒ کا مدفن اور قریبی زمانہ میں تقریباً نصف صدی تک قطب وقت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کی خصوصی توجہات اور عنایات کا مرکز رہا ہے۔ حضرتؒ کی مسیحائی کے اثرات چپہ چپہ سے نمایاں ہیں۔ اہل علم اور اکابر دیوبند سے گرویدگی اور مہمانوں سے جو محبت یہاں دیکھنے میں آئی وہ بے نظیر تھی ۔ ہوائی اڈا پر استقبال کرنے والے بے شمار لوگوں میں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کے کئی خلفاء اجل بھی جمعیۃ العلماء اسلام مشرقی پاکستان کے امیر حضرت مولانا شیخ عبدالکریم کی سرکردگی میں موجود تھے ۔ یہاں کی جمعیۃ بڑی فعال

منظم اور سرگرم ہے۔ ہوائی اڈہ سے شہر تک چھ میل کا طویل راستہ ان اکابر کے متعلق ترحیبی نعروں، "اسلام" اور جمعیۃ العلماء اسلام زندہ باد" اور اسلامی آئین کے مطالبوں سے گونج اٹھا۔

جس علم دوست بزرگ کے مکان پر قیام تھا۔ ایم سلیمان خان صاحب، حضرت شیخ مدنی کے دیرینہ خدام اور عشاق میں سے تھے اور ان کا وجود اصلاحِ نفس و تزکیۂ اخلاق میں حضرت مدنی کا یدِطولیٰ رکھنے کا بیّن ثبوت تھا۔ دنیاوی وجاہت اور ثروت بیشمار حشم و خدم کے ہوتے ہوئے وہ اپنے ہاتھوں سے علماء کے لئے کھانا تیار کر رہے تھے اور سارا خاندان بچھا جا رہا تھا جس کو دیکھ کر من تواضع للہ رفعہٗ اللہ۔ کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا، ظہر کی نماز حضرت شاہ جلال یمنیؒ کی مسجد میں پڑھی گئی اور تھوڑی دیر کیلئے درگاہ سے ملحق مدرسہ کی دعوت پر مدرسہ میں بھی جانا ہوا۔ تین بجے جمعیۃ العلماء کی طرف سے حضرت مولانا الشیخ عبدالکریم صاحب امیر جمعیۃ کی صدارت میں سارہ ہال میں جلسۂ عام شروع ہوا۔ اجتماع کا یہ عالم تھا کہ آغاز جلسہ سے پہلے ہی ہال کی دونوں منزلیں کھچا کھچ بھر گئی تھیں، اور باہر احاطہ میں لوگوں کے ہجوم میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے بے چینی اور اضطراب میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ چنانچہ منتظمین کو جلسہ ہال سے باہر میدان میں منتقل کرنا پڑا۔ جمعیۃ العلماء اور دینی مدارس کی طرف سے علماء نے سپاسنامے پیش کئے۔ جلسہ میں اکثریت اہل علم، مشائخ اور دیندار لوگوں کی تھی چنانچہ یہاں علماء کرام کے باہمی ضبط و تنظیم کی ضرورت اور اہمیت پر بھی تقریریں ہوئیں۔ جلسہ شام کی نماز تک جاری رہا۔ شام کی نماز ہم نے نئی سڑک کی اس تاریخی مسجد میں ادا کی جہاں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ ۳۰۔ ۳۵ سال تک تعطیلاتِ رمضان میں قیام فرماتے اور "ارضِ بنگالہ" کے تشنگانِ رشد وہدایت کو معارفِ ربانی اور اپنے انفاس قدسیہ سے سیرابی بخشتے۔ حضرت شیخؒ کی نسبت سے اس مسجد اور ملحقہ حجرہ مبارکہ اس کی سادگی اور ماحول نے ایک عجیب سماں باندھا اور حضرت کے لاثانی ایثار، راہِ خدا میں قربانی، جفاکشی اور اصلاح خلق کے لئے بے مثال جدوجہد اور ریاضت کے انمٹ نقوش دل و دماغ پر ابھرے اور بقدر عقیدت اور نسبت ہر ایک کے جذبات میں ایک عجیب تلاطم بپا کر گئے، یہاں کے در و دیوار سے عشق اور فنائیت کی بو محسوس ہوئی۔ شاید شاعر نے ایسے ہی موقع پر کہا ہو ؎

بہر زمین کہ نسیمے ز زلف او زدہ است
ہنوز از سرِ آں بوئے عشق می آید

یہاں کے سبزہ زاروں اور گھنے جنگلات میں بلبل چہک رہے تھے، جیسے بول رہے ہوں کہ ؎

یہ وہ وادی ہے اے ہمدم جہاں ریحانہ رہتی تھی

سلہٹ کے مختصر قیام میں خلوص ومحبت کی بے حساب یادیں اپنے ساتھ لیکر نگاہِ حسرت (جو ابھی سیر کہاں ہوئی تھی) ڈالتے ہوئے رات کو بذریعہ ٹرین چٹاگانگ روانہ ہوئے۔ محبین، مخلصین اور بزرگوں نے جس شوق اور ولولہ سے پذیرائی کی تھی ویسے ہی جذبات محبت سے الوداع کہا۔

۲۸ر کی صبح کو ہم چٹاگانگ پہنچے۔ مشرقی پاکستان کے مقتدر اور صاحب خیر بزرگ حاجی بشیرالدین بوگرہ کی فرم جمیل الدین لیمیٹڈ کے ہاں قدرے قیام کیا۔ چاٹگام کے مضافاتی علاقوں میں یہاں کے دو عظیم الشان مدارس مدرسہ معین الاسلام ہاٹ ہزاری اور مدرسہ ضمیریہ پٹیہ دیکھنے گئے، ہر دو مدرسے یہاں کے مسلمانوں کے دینی علوم سے شغف کے زندہ نمونے ہیں۔ اوّل الذکر میں تو بارہ سو تک طلبہ زیرِ تعلیم ہیں۔ دیگر مدارس میں بھی طلبہ کی تعداد ۵، ۶ سو کے لگ بھگ رہتی ہے۔ برمی سرحدات یہاں سے قریب ہونے کی وجہ سے کئی برمی طلبہ بھی یہاں تعلیم پاتے ہیں۔ ڈھاکہ، میمن سنگھ، سلہٹ کی طرح یہاں کے مدارس کے کئی اساتذہ اور اکثر علماء حضرت افغانی اور حضرت شیخ الحدیث صاحب سے ان کے زمانۂ تدریس دارالعلوم دیوبند میں تلمذ حاصل کر چکے تھے۔ ۲۰، ۲۵ سال بعد اپنے اساتذہ سے ملاقات ان حضرات کو عجیب نعمت محسوس ہوئی۔ ہر دو مدارس میں جو چٹاگانگ کی مختلف سمتوں پر واقع ہیں، مختصر استقبالیہ جلسے ہوئے، درسِ بخاری کے علاوہ تقریریں ہوئیں۔ نمازِ مغرب کے بعد چٹاگانگ شہر کے تجارتی علاقہ کے وسط میں مسلم انسٹی ٹیوٹ ہال کے وسیع لان میں جلسۂ عام کا انتظام تھا۔ جناب رضاء الکریم صاحب پرنسپل سٹی کالج چاٹگام کی صدارت میں جلسہ شروع ہوا۔ رات گئے تک اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کی دینی زندگی اور پیش آمدہ مسائل پر تقریریں ہوئیں دیگر مقامات کیطرح یہاں بھی اردو تقاریر کا خلاصہ بنگلہ زبان میں سنایا گیا خود صدر جلسہ نے یہ ترجمانی بہترین طریقہ سے کی۔ ۲۹ر فروری کی ظہر کو سب حضرات ڈھاکہ واپس پہنچے واپسی میں ڈھاکہ کے مشہور خواجہ خاندان کی خواہش پر ان کے ہاں احسن منزل نواب باڑی میں قیام رہا۔ اہل علم بالخصوص اکابر دیوبند کے ساتھ اس خاندان کا والہانہ تعلق ہے۔ برصغیر کی مشہور شخصیتوں میں سے حضرت مدنیؒ، حضرت تھانویؒ مولانا آزادؒ اور دیگر اکابر کا شرف میزبانی اس مکان کو حاصل ہے۔ نواب خواجہ انیس اللہ صاحب اور ان کے تمام خویش واقارب انکساری، خلوص اور محبت کے پیکر ہیں۔ خواجہ ناظم الدین صاحب مرحوم اسی خاندان کے ایک فرد تھے۔ دیگر حضرات یکم مارچ کو ڈھاکہ سے لاہور واپس ہوئے اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، خواجہ برادری کے اصرار پر دو دن مزید ان کے ہاں ٹھہرے۔

مشرقی پاکستان اولیاء اللہ اور بزرگوں کی سرزمین ہے۔ ۲ر مارچ کو ڈھاکہ کی مضافاتی آبادی میرپور میں حضرت شاہ علی بغدادیؒ کے مزار کی زیارت کی نیز ڈھاکہ سے تیس میل دور قدیم دارالخلافہ

"سنارگاؤں" بھی گئے۔ یہاں کے قدیم اور بوسیدہ کھنڈرات میں کئی اولیاء اللہ محو استراحت ہیں۔ آبادی سے کچھ دور سلطان غیاث الدین بلبن کا مزار ہے۔ سنارگاؤں میں حضرت شاہ شمس الدین ابو توامہؒ حضرت مخدوم شرف الدین منیری کی اہلیہ محترمہؒ حضرت ابراہیم دانشمندؒ حضرت یوسف دانشمندؒ حضرت شاہ کامل شاہؒ اور دیگر بزرگوں کے مزارات پر فاتحہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۳۰ مارچ کو بوقت ظہر ڈھاکہ سے روانہ ہو کر عصر سے قبل لاہور پہنچے، اس پورے سفر میں جس چیز نے سب کو بیحد متاثر کیا وہ یہاں کے عام مسلمانوں کا دینی جذبہ، اسلام سے گرویدگی اور تعلق تھا۔ مساجد، مدارس اور علماء کی اتنی کثرت بمشکل دوسرے علاقوں میں ہوگی، بعض حضرات نے بتلایا کہ صرف مسلک دیوبند سے تعلق رکھنے والے علماء کی تعداد ڈھائی لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ اگر یہ طاقت منظم اور مربوط ہو کر زیادہ جوش وخروش سے دینی میدانوں میں اترے تو ساری دینی مشکلات ختم ہوسکتی ہیں۔ لوگوں کے دینی ذوق وشوق اور ولولہ کا نتیجہ تھا کہ اُردو نہ سمجھنے والے بھی گھنٹوں سکون اور عقیدت سے جلسوں میں بیٹھے رہتے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں باہمی تعاون اتحاد اور مکمل یگانگت کی ضرورت پر مشتمل تقریریں بھی ان لوگوں نے بڑی دلچسپی سے سنیں، جبکہ یہاں یہ چیز مادی یا سیاسی مقاصد پر استوار تقریبات میں دیکھنے میں نہیں آتی جس سے یہ حقیقت اور بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اس ملک کا اتحاد، استحکام اور باہمی ربط و تعلق صرف اور صرف اسلام، اسلامی اقدار اور دینی روابط ہی کے ذریعہ ممکن ہے اور یہ چیز تب حاصل ہوگی کہ مرکزی قوت خود اس لحاظ سے اپنی ذمہ داری محسوس کرے۔ جو تعلق عقیدہ پر مبنی ہو اس کی جڑیں دلوں کے اندر جاگزین ہوتی ہیں۔ دیگر امور، ذرائع اور وسائل سے استحکام کی کوششیں دونوں ملکوں کے مواصلاتی نظام کی طرح نقش برہوا یا نقش برآب ثابت ہوسکتی ہیں۔ فانی رشتے فانی اور تغیر پذیر ہیں۔ اسلام ہی ایک ایسی قوت ہے جس نے برصغیر کے پراگندہ مسلمانوں کو ناقابلِ شکست طاقت بنایا تھا اور آج بھی یہی طاقت مشرق ومغرب کو ایک لڑی میں پرو کر اپنے نام لیواؤں کو "جسدِ واحد" بناسکتی ہے۔ حیرت ہے کہ بعض لوگ مغربی تہذیب کے شجرۂ خبیثہ کے سایہ میں بیٹھ کر اپنی بقاء ترقی اور استحکام کیلئے کیسے کیسے طریقے سوچ رہے ہیں۔ عورتوں اور مردوں کے باہمی اختلاط اور رقص وسرود کی تقریبات کے ذریعہ ہرگز جغرافیائی اور قومی امتیازات مٹائے نہیں جاسکتے۔ تاریخ کے ہر دور میں یہ حد بندیاں صرف اسلام ہی سے مٹ سکی ہیں۔

دوسری چیز جو یہاں کے دینی تصلّب کی آئینہ دار ہے وہ یہ تھی کہ ڈھاکہ، چٹاگانگ جیسے اہم شہروں کی شاہراہوں اور گلیوں میں بھی عریانی اور بے پردگی اور لباس وعادات واطوار میں یورپی

فیشن کی وہ وبا نظر نہ آئی جو بد قسمتی سے ہمارے ہاں کے تمام اہم شہروں کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے دینی اثرات کو محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ مادی اور صنعتی ترقیات حاصل کرتے ہوئے اس نام نہاد تہذیب اور نئی روشنی سے یہ علاقہ محفوظ رہے جس نے مسلمانوں کو اپنے اقدار سے بیگانہ کر کے ہزاروں معاشی اور سماجی مسائل کھڑے کر دئیے ہیں۔ مگر افسوس کہ یہ امید پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔ مغربی پاکستان کیطرح وہاں بھی آئے دن ثقافت، کلچر اور ثقافتی طائفوں وغیرہ کے مظاہروں کے ذریعہ دینی گرفت کو کمزور کیا جا رہا ہے، اس کی ایک مثال چٹاگانگ میں ہمارے سامنے آئی کہ قرآن کریم کے نام سے منعقد ہونے والے اجتماع کو مسلم ہال کے اندر انعقاد کی اجازت نہ مل سکی اور منتظمین کو باہر لان میں انتظام کرنا پڑا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ چونکہ کل پرسوں اسی ہال میں چینی طائفہ کے رقص و سرود کا پروگرام ہے اس لئے اس کے اہتمام میں راتوں رات ہال کی آرائش ضروری ہے، جبکہ شہر کے شرفا نے ان خرافات سے اپنی بے زاری بھی ظاہر کر دی تھی۔

ایک اور چیز جو پوری سنجیدگی سے غور و فکر کی مستحق ہے، وہ اس علاقہ میں کیونزم کے بڑھتے ہوئے اثرات ہیں، کیونزم کے حق میں بعض عناصر علانیہ جگہ جگہ مظاہرے کرنے سے بھی نہیں جھجکتے۔ اس قسم کا ایک جلوس دیکھنے کا اتفاق چٹاگانگ میں ہوا جو کیونزم کے حق میں مظاہرہ کر رہا تھا۔ کیونزم کا لٹریچر تیزی سے پھیل رہا ہے۔ جو شہروں اور اسٹیشنوں کے بک سٹالوں پر بافراط نظر آتا ہے ۔۔۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ اپنا آئیڈیل ماؤزے تنگ اور کارل مارکس کو بناتا جا رہا ہے جس کی بنیادی وجہ دینی تعلیم سے غفلت اور پھر اب تک اسلام کے عادلانہ معاشی نظام سے گریز کرنا ہے۔ مختلف طبقات کی معاشی مشکلات اور ناقابلِ برداشت طبقاتی تفاوت کا علاج اسلام ہی میں ہے، مگر جب اذہان اس اٹل سچائی کے بارہ میں اب تک تذبذب اور تشکیک کا شکار ہوں تو اس نسخۂ شفا کو آزمائیں تو کیسے ؟

ملک کی صحافت پر جو بنگلہ اور انگریزی اخبارات چھائے ہوتے ہیں۔ ان کی اکثریت اسلام اور اس کے اساسی نظریات کو اہمیت نہیں دیتی ایک اہم انگریزی اخبار کے ایڈیٹر کے متعلق سنا کہ وہ اسلام کو صرف دو قومی نظریہ کی کامیابی اور ملک کی تقسیم تک ضروری سمجھتا رہا۔ اب جب ہم ایک قوم ہیں تو اسلام اور دین کی کیا ضرورت ہے۔؟ ۔۔۔ ایک دوسرے اخبار کے مدیر اسلامی مضامین کی اشاعت سے اس لئے کنارہ کشی کرتے رہے کہ اسطرح نہ اشتہار ملیں گے، اور نہ اونچے طبقہ میں پرچہ مقبول رہ سکے گا، کیونزم کے توڑ کیلئے ضرورت ہے کہ وہاں کی علاقائی زبانوں میں اور صحافت کے میدان میں اسلامی جذبات کو برقرار رکھنے کی بھرپور سعی کی جائے اس سلسلہ میں

علماء پر بھی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اگر ہمیں ملک، قوم اور اپنی اقدار و روایات کی حفاظت محبوب ہے تو ہمیں اوروں کے غیر منصفانہ معاشی نظاموں سے ہٹ کر اسلام کے حصار میں ملک کے تمام طبقوں کو فارغ البالی، اور آرام وراحت کی زندگی مہیا کرنی ہوگی۔ کیمونزم، جبر و استبداد، لوٹ کھسوٹ اور فاقہ کشی سے پھیلتا ہے، جس کا علاج کیمونزم میں نہیں جو بجائے خود ایک مہلک مرض اور ناسور ہے، بلکہ اس کا مداوا صرف محمد عربی فداہ ابی و امی کے دامنِ عاطفت میں مل سکتا ہے ـــــ جس ملک کو خدا نے بے حساب قدرتی وسائل اور مادی نعمتوں سے نوازا ہے ناممکن ہے کہ صحیح منصوبہ بندی کے ہوتے ہوئے کسی باشندے کو فارغ البالی نصیب نہ ہو سکے۔ کیمونزم کے علاوہ دیگر علمی اور فکری فتنے بھی وہاں ابھر رہے ہیں۔ قادیانیت پوری تیزی سے اپنی جڑیں پھیلا رہی ہے۔ وہاں کے بعض حضرات کے کہنے کے مطابق دیناج پور سے ۴۰ میل دور بھارتی سرحد کے قریب ان لوگوں نے کسی طریقے سے ۵ گاؤں حاصل کر کے وہاں احمد نگر کے نام سے ایک مرکز بسانا شروع کر دیا ہے۔ پتہ نہیں ہماری نگاہ کیوں اس طرف نہیں جاتی کہ یہ چیز سیاسی نقطۂ نظر سے کتنی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے ـــــ! کیا ملک کے دونوں حصوں میں ان لوگوں کا سرحدی علاقوں ہی کو خاص نشانہ بنانا کسی خاص سکیم کی غمازی تو نہیں کر رہا؟ عیسائیت مشنریوں کے نام پر اپنے کام میں مصروف ہے۔ بھارت بھی یقیناً در پردہ شرارتوں سے ادھار نہیں کھاتا ـــــ اس ملک کے باشندوں کے دینی احساسات، حب الوطنی اور پھر جغرافیائی نزاکت کے ہوتے ہوئے ان بے احتیاطیوں پر باشعور لوگ خون کے آنسو روتے ہیں۔ یہاں تو ہر اس چیز پر کڑی نگاہ رکھنی تھی جس سے اس ملک کی رائے عامہ پر اسلام کا تسلط کمزور اور مجروح اور لادینی عناصر کو ابھرنے کا موقعہ مل سکتا ہو ـــــ مگر ـــــ ہائے افسوس! کہ جب احساسِ زیاں ہی نہ رہے تو پھر متاعِ کارواں کا خدا ہی محافظ ہے۔

ہماری دلی آرزو ہے کہ ملک کے یہ دونوں حصے اسلام کی نعمت سے مالا مال ہو کر پھلیں پھولیں اور پوری اتحاد و یگانگت سے اس ملک کی دینی اور مادی تعمیر و استحکام میں دونوں رواں دواں رہیں کہ ہر ایک کی ترقی اور تر و تازگی پر دوسرے کی زندگی کا انحصار ہے ـــــ

واللہ یقول الحق وھو یہدی السبیل

سمیع الحق

یکم محرم ۱۳۸۸ھ